سیاسی اسلام؟

علامہ یوسف القرضاوی

ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی

سیاسی اسلام (political islam) کی اصطلاح دشمنانِ اسلام نے اپنے مذموم مقاصد کی خاطر وضع کی ہے۔ اس کا مقصد اسلام کے حصے بخرے کرنا اور اسے تقسیم کرنا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اسلام ایک اکائی نہیں--- جیسا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ہم مسلمان ایمان رکھتے ہیں--- بلکہ بہت سے ہیں، متعدد و مختلف اسلام۔ کبھی اسلام کو خطوں کے مطابق تقسیم کرتے ہیں: ایشیائی اور افریقی اسلام۔ کبھی اسلام کو زمانوں کے مطابق الگ الگ کیا جاتا ہے: نبویؐ اسلام، خلافت راشدہ کا اسلام، اموی اسلام، عثمانی اور جدید اسلام۔ کبھی اسلام کو قومیتوں کے لحاظ سے بانٹا جاتا ہے: عربی، ہندی، ترکی اور ملیشیائی اسلام وغیرہ۔ کبھی اسے فرقوں کے لحاظ سے تقسیم کیا جاتا ہے: سنی اسلام، شیعی اسلام۔ پھر سنی اسلام کو کئی مزید ٹکڑوں میں اور شیعی اسلام کو بھی اسی طرح کئی ٹکڑوں میں بانٹا جاتا ہے۔ کبھی سیاسی اسلام، روحانی اسلام، زمانی اسلام اور لاہوتی کی ترکیبیں استعمال کی جاتی ہیں۔ معلوم نہیں کہ آیندہ اسلام کی مزید کیا کیا تقسیمیں کی جائیں گی!

سچ تو یہ ہے کہ ایک مسلمان کی نظر میں یہ سب تقسیمیں مسترد کیے جانے کے قابل ہیں۔ مسلمان کے نزدیک اسلام صرف ایک ہے، اس کے سوا کوئی اور اسلام نہیں۔ یہی پہلا اور آخری اسلام ہے، قرآن وسنت کا دیا ہوا اسلام۔ یہی وہ اسلام ہے جسے اُمت کی افضل ترین نسلوں نے، خیر القرون کے بزرگوں نے، یعنی صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے سمجھا۔ یہی صحیح اسلام ہے، کھرا، صاف اور اُجلا اسلام۔ قومیتوں اور فرقوں کی آمیزش سے بالکل پاک۔ فلسفیوں کی آرا و نظریات سے مبرا، جاہلوں اور گمراہوں کی ریشہ دوانیوں سے پاک، بدعات وخرافات سے خالی، ہر قسم کی پیچیدگیوں سے معرا۔

اس حوالے سے کچھ بنیادی امور قابل توجہ ہیں:

اسلام ہوتا ہی سیاسی ہے: اسلام سیاست کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس کے لیے غیر سیاسی ہونا،

ناممکن ہے۔ اسلام پوری زندگی کے لیے ہے۔ یہ پوری زندگی کو چلاتا ہے۔ اگر آپ اسلام کو سیاست سے الگ کر دیں گے تو آپ اسے ایک مذہب بنا دیں گے' بودھ مت' عیسائیت یا کسی اور مذہب جیسا۔ مگر یہ اسلام نہیں ہوگا۔ اس کے دو اہم سبب ہیں:

۱- بہت سے ایسے امور جنھیں سیاسی سمجھا جاتا ہے ان کے متعلق اسلام کا موقف واضح اور اس کا حکم صریح ہے۔ اسلام کوئی لاہوتی عقیدہ نہیں ہے۔ یہ محض پوجا پاٹ کے کچھ طریقوں کا نام نہیں ہے' یعنی یہ محض انسان اور اس کے رب کے مابین کسی پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں جس کا زندگی کی تنظیم' معاشرے اور ریاست کی راہ نمائی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بالکل نہیں۔ اسلام عقیدہ اور عبادت ہے' اخلاق اور کامل شریعت ہے۔ بالفاظ دیگر' یہ زندگی کا مکمل و کامل نظام ہے۔ اسلام فرد کی زندگی' خاندان کے معاملات' معاشرے کے حالات' ریاست کی بنیادوں اور دنیا کے تعلقات کے بارے میں مبادی و قواعد' اصول وضوابط اور قانون سازی و راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

جس شخص نے قرآنِ کریم' سنت مطہرہ اور فقہ اسلامی کی کتابیں پڑھی ہیں' اسے یہ بات بالکل واضح طور پر معلوم ہے۔ فقہ میں عبادات تک کا شعبہ بھی ''سیاست'' سے الگ نہیں۔ مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نماز ترک کرنا' زکوٰۃ نہ دینا' رمضان میں دن کے وقت برسرِ عام کھانا پینا' فریضہ حج میں لاپروائی کرنا ایسی حرکات ہیں جن پر حکومت قانون کے تحت سزا دیتی ہے' اور اگر کوئی طاقت ور مسلح جتھہ ان فرائض یا ان میں سے کسی ایک کی بجا آوری میں کوتاہی کرے تو اس کے خلاف لڑائی کی جاتی ہے' جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف کی تھی۔

علماے اسلام نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی شہر کے مسلمان ایسی سنتیں چھوڑ دیں جو اسلام کے شعائر میں سے ہیں' جیسے اذان' ختنہ' نمازِ عیدین' تو انھیں ان سنتوں کی بجا آوری کے لیے کہا جائے گا اور دلائل سے قائل کیا جائے گا۔ ان کے اصرار و انکار پر ان کے خلاف لڑائی کی جائے گی تا آنکہ وہ ان اسلامی شعائر کو اپنا کر اس جماعت میں آملیں جس سے وہ جدا ہو گئے تھے۔

سیاست' تعلیم' نشرواشاعت' حکومت' مال و دولت' صلح و جنگ' غرض زندگی کے ہر مؤثر شعبے کے بارے میں اسلام کے قواعد وضوابط اور احکام و رہنمائی موجود ہے۔ اسلام دنیا جہاں سے کٹ کر یا دوسرے نظریات کا خادم اور ازموں کا تابع بن کر رہنے کے لیے تیار نہیں' بلکہ وہ تو قائد اور سردار بن کے رہنے کے لیے آیا ہے۔ یہاں سیدنا مسیحؑ سے منسوب مقولے پر عمل نہیں ہوسکتا کہ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خداوند کا ہے وہ خداوند کو دو۔ اسلام کا فلسفہ تو اس بنیاد پر قائم ہے کہ قیصر اور جو کچھ قیصر کا ہے وہ سب خداے واحد کے

لیے ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے، سب اللہ کی ملکیت ہے۔ اسلام کے نظریہ توحید کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمان، اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب بناتا ہے نہ ولی و حکمران، جیسا کہ توحید کی سب سے بڑی سورہ، سورۃ الانعام بتاتی ہے۔ عقیدۂ توحید فی الحقیقت حریت، مساوات اور اخوتِ انسانی کے حصول کا انقلابی ذریعہ ہے تاکہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ انسان انسان کی غلامی سے آزاد رہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اہل کتاب کے حکمرانوں کے نام خط لکھنے کے بعد، آخر میں یہ آیت کریمہ لکھا کرتے تھے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (ال عمران ۳:۶۴)

اے نبیؐ، کہو، ''اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے''۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔

یہ ہے اس بات کا راز کہ مکہ کے سردار اور عرب کے مشرک، روزِ اول ہی سے دعوتِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے کیوں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، حالانکہ صرف لا الٰہ الا اللہ کا پرچم بلند کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اس کلمے کے پیچھے کیا ہے؟ اور اس کلمے کو پڑھ لینے سے سماجی اور سیاسی زندگی کے معانی میں کیا تبدیلی آئے گی۔ وہ سب اس سے بخوبی آگاہ تھے کہ اس سے کیا تبدیلیاں اور تغیرات رُونما ہوں گی۔

۲- ایک مسلمان کا غیر سیاسی ہونا، ناممکن ہے۔ الا یہ کہ وہ اسلام کو غلط سمجھے یا اس کی غلط تعبیر کرے۔ ہر مسلمان سیاسی ہوتا ہے، اس لیے کہ اسلام کا عقیدہ، شریعت، عبادات، تربیت مسلمان کی شخصیت پر اثرانداز ہوکر اس کی تعمیر و تشکیل سیاسی نہج پر کر دیتا ہے۔ دیکھیے، اسلام مسلمان کے کندھے پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ڈالتا ہے۔ وہ اس فریضے کو مسلمان حکمرانوں اور عوام کے لیے خیر خواہی کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔ اسی بات کو حدیث میں مکمل دین کہا گیا ہے۔ قرآن اسے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کہتا ہے۔

ایک مسلمان کو اس کے ایمان کا یہ تقاضا ہمیشہ سیاسی بنائے رکھتا ہے کہ اُسے دوسروں کی مشکلات اور دکھ درد میں شریک ہونا ہے، اس نے صرف اپنے لیے زندہ نہیں رہنا بلکہ اپنے اہل ایمان بھائیوں کے لیے جینا ہے۔ وہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹:۱۰) (مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں) پر ایمان رکھتا

ہے۔ حدیث میں ہے: مسلمانوں کے معاملے میں دل چسپی نہیں لیتا وہ ان میں سے نہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ اور مسلمان حکمرانوں اور عوام کے لیے خیر خواہی نہیں کرتا وہ ان میں سے نہیں۔ جس آبادی (یا محلے) میں ایک شخص بھوکا رہ گیا' اس سے اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذمہ اٹھ گیا۔

جس طرح ایک مسلمان سے سماجی ظلم کا مقابلہ کرنے کو کہا گیا ہے اسی طرح اس سے سیاسی ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے۔ ظلم کا خواہ کوئی نام اور کوئی سی نوعیت ہو' اس پر سکوت اور سہل انگاری پوری اُمت کے لیے باعثِ عذاب ہے۔ ظلم کرنے والا اور اس ظلم پر خاموش رہنے والا دونوں یکساں مجرم ہیں۔ ارشادالٰہی ہے: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ج (انفال ۸:۲۵) ''اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو''۔ قرآن پاک نے ان قوموں کی مذمت کی ہے جنھوں نے جابروں اور سرکشوں کی اطاعت کی' بلکہ محض ظالموں کی طرف جھکاؤ' میلان اور نفسیاتی رجحان کو بھی عذاب کا موجب قرار دیا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ لا وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ (ھود ۱۱:۱۱۳) ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا' ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور تمھیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہ ملے گا جو خدا سے تمھیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔

اسلام ہر مسلمان پر یہ سیاسی ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ ایسی ریاست میں زندگی گزارے جس پر ایک مسلمان امام کتاب اللہ کی رُو سے حکومت کرتا ہو اور عوام نے اس کی بیعت کی ہو۔ اگر کوئی مسلمان ایسا نہیں کرتا تو وہ اہل جاہلیت میں سے ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرا (مسلم)۔

نماز اور سیاست: مسلمان تو عین حالت نماز میں بھی بحرِ سیاست میں تیر رہا ہوتا ہے۔ وہ نماز میں اُن آیات کی تلاوت کرتا ہے جن میں اُن امور کا بیان ہے جسے لوگ ''سیاسی'' کہتے ہیں۔ اسی طرح خاص طور پر جہری نماز میں قنوت نازلہ (وہ دعا جو آخری رکعت میں' رکوع سے اٹھنے کے بعد کی جاتی ہے) پڑھنے سے زیادہ سیاسی بات کیا ہو سکتی ہے۔ یہ دعا دشمن سے مقابلے' زلزلے' سیلاب یا قحط جیسے مواقع پر مانگی جاتی ہے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ امام شہید حسن البناؒ نے اس شرعی حکم (قنوت نازلہ) پر مصری قوم کو' انگریزوں کے خلاف کیسے آمادہ کیا؟ آپ نے روزنامہ اخبار الاخوان المسلمون میں ایک مضمون لکھا جس میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ قابض انگریزوں کے خلاف اپنی نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھا کریں۔ آپ نے ایک دعا

بھی لکھی تھی اور کہا تھا کہ اسی طرح کی دعا کیا کریں' تاہم آپ نے لوگوں کو ہوبہو یہی دعا کرنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ ہم لوگوں نے امام البناؒ کی بتائی ہوئی دعا زبانی یاد کر لی تھی جو ہم نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اس دعا کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

یااللہ! جہانوں کے پروردگار! خوف زدہ لوگوں کی امان' متکبروں کو ذلیل کرنے والے' جابروں کی گردن توڑنے والے' اے اللہ تو جانتا ہے کہ ان ظالم و غاصب انگریزوں نے ہماری زمین پر قبضہ کرلیا ہے۔ ہمارا حق چھینا ہے' ملک میں سرکشی کی ہے' اور اس میں بہت فساد مچا رکھا ہے۔ اے اللہ! ان لوگوں کے مکروسازش سے ہمیں محفوظ رکھ' ان کی دھار کند کر' ہمارے ملک سے ان کا اقتدار ختم کر۔ ان کی سلطنت کو زوال دے' یااللہ اپنے مومن بندوں میں سے کسی پر ان کا بس نہ چلنے دے۔ یااللہ! ان کو پکڑ' ان کے مددگاروں کو پکڑ' ان کے حامیوں اور ان سے محبت و دوستی رکھنے والوں کو پکڑ۔ ایسے پکڑ جیسے ایک بااختیار صاحبِ اقتدار پکڑتا ہے۔

دیکھیے کہ ہم عین محرابِ مسجد میں' نماز کے دوران میں' جب پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہوتے تھے' تو سیاست کے میدان میں بھی دخل دے رہے ہوتے تھے۔ یہ ہے اسلام کا مزاج کہ اس میں دین' دنیا سے الگ نہیں ہوتا اور نہ دنیا دین سے جدا ہوتی ہے۔ قرآن وسنت اور تاریخ کسی ایسے دین سے ناآشنا ہیں جو مملکت کے بغیر ہو یا ایسی مملکت سے جو دین کے بغیر ہو۔

دین و سیاست کی جدائی کے دعویٰ: کچھ لوگوں کا خیال بلکہ زعمِ باطل ہے کہ دین کا سیاست سے کچھ تعلق نہیں۔ ان لوگوں نے یہ جھوٹ تراشا ہے کہ ''سیاست میں کوئی دین نہیں اور دین میں کوئی سیاست نہیں''۔ کمال یہ ہے کہ خود ان لوگوں نے ''دین'' کو اپنی ''سیاست'' کے لیے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ اپنے مذموم و ادنیٰ مقاصد کی برآری کرسکیں۔ یہ لوگ علم دین کے لحاظ سے بعض کمزور حضرات کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ اپنی باطل سیاست اور دنیوی لحاظ سے اپنی بے کار پالیسیوں کے حق میں دینی نقطۂ نظر سے من پسند فتویٰ لے سکیں۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ جب ہم ۴۹/۱۹۴۸ء میں جیل خانہ طور میں تھے تو ہم پر جو---قرآن کی حکمرانی اور اس نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے تھے--- یہ فتویٰ جاری کیا گیا کہ:

یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف جنگ کر رہے ہیں' زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں' لہٰذا انھیں بھیانک طور پر قتل کر دیا جائے یا صلیب پر لٹکایا جائے یا مخالف سمت سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں یا یہ کہ انھیں ملک بدر کر دیا جائے۔

حق پرستوں کے خلاف یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تاریخ میں ایسا کئی بار ہوا ہے۔ اسٹیج اور کردار بدلتے رہے ہیں، ذہنیت وروش یہی رہی ہے۔ مجھے ابھی تک یاد ہے اور عوام کو بھی یاد ہوگا کہ کیسے مفتیوں سے کہا گیا کہ وہ صہیونی ریاست کے ساتھ صلح کے جائز ومشروع ہونے کا فتویٰ صادر کریں، تاکہ ان کی شکست خوردہ پالیسی کی تائید ہوسکے۔ حالانکہ اس سے پہلے اسرائیل کے ساتھ صلح کے حرام ہونے کا فتویٰ جاری ہوچکا تھا اور اسرائیل کے ساتھ صلح کو اللہ، اس کے رسولؐ اور مومنوں کے ساتھ خیانت قرار دیا گیا تھا۔

اپنی مذموم سیاسی اغراض کے لیے حکام علما کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ اُن سے بنک کے سود کے حلال ہونے اور اسی قسم کے دیگر مقاصد کے لیے فتاویٰ لے سکیں۔ انھیں بعض ضعیف الایمان اور قلیل العلم لوگ مل ہی جایا کرتے ہیں مگر راسخ العقیدہ علماے کرام ایسے فتاویٰ دینے سے انکار کردیتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ط
(الاحزاب ۳۳:۳۹) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اُسی سے ڈرتے ہیں اور ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

علامہ ابن قیمؒ نے امام ابوالوفاؒ ابن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے: ''سیاست ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے لوگ صلاح وخیر کے زیادہ قریب اور فساد سے بہت دُور ہوجاتے ہیں، جب تک کہ سیاست، شریعت کے خلاف نہ ہو''۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ''عادلانہ سیاست، شریعت کی تعلیمات وہدایات کی مخالف نہیں ہوتی، بلکہ اس کے موافق ہوتی ہے، بلکہ سیاست تو شریعت کے اجزا میں سے ایک جز ہے۔ ہم اسے ''سیاست'' آپ حضرات کی اصطلاح کے تحت کہتے ہیں ورنہ یہ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کا عدل ہے۔ (الطرق الحکمیة فی السیاسته الشرعیة لابن القیم، ص ۱۳-۱۵، مطبوعہ السنة المحمدیة)

ہمارے علما سلف نے سیاست کی قدروقیمت اور اس کی فضیلت بیان کی ہے حتیٰ کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے: ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دین دنیا کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، اقتدار اور دین جڑواں ہیں۔ دین اصل ہے اور اقتدار محافظ وپہرے دار ہے۔ جس کی اصل وبنیاد نہ ہو وہ گرجاتا ہے اور جس کا محافظ نہ ہو وہ ضائع ہوجاتا ہے''۔ (احیاء علوم الدین ۱/۱۷، باب العلم الذی ھو فرض کفایة، مطبوعہ دارالمعرفة، بیروت)

''امامت'' یا ''خلافت'' کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ ''یہ دین کی نگہبانی اور اس کے ذریعے دنیا کی سیاست میں صاحب شرع حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابتِ عامہ ہے''۔ (النظریات السیاسیة الاسلامیة، ڈاکٹر ضیاالدین الریس، ص ۱۲۵، طبع ششم)

پس معلوم ہوا کہ خلافت نگہبانی اور سیاست ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ، معلم اور قاضی

ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست کار بھی تھے۔ آپؐ کے ہدایت یافتہ خلفا بھی سیاست کار تھے' اس لیے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہج وطریق پر چل رہے تھے۔ ان حضرات نے عدل واحسان کے ساتھ اُمت کو درست راستے پر چلا کر سیاست فرمائی اور علم وایمان کے ساتھ اُمت کی قیادت کی۔

سیاست کی اس مسلمہ اہمیت کے باوجود ہمارے دور کے لوگ ''سیاست'' اور ''سیاست دانوں'' سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ سیاست پر میکاولی فکر کی گہری چھاپ' استعمار اور خیانت کار حکمرانوں' ظالموں اور آمروں کی سیاست ہے۔ شیخ محمد عبدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے سیاست کاروں کے مکروفریب سے تنگ آکر اپنا یہ مشہور قول کہا تھا: اعوذ باللّٰہ من السیاسته ومن ساس وسیوس وسائس ومسوس (میں سیاست' سیاست کرنے والوں اور جن پر سیاست کی جائے' سب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)۔ فکر اسلامی کے مخالفین نے عوام کی سیاست دانوں سے اس نفرت کا فائدہ اٹھایا اور اس جامع وکامل نظامِ اسلام کے بارے میں جس کی طرف حامیانِ اسلام دعوت دیتے ہیں' کہنے لگے کہ یہ ''سیاسی اسلام'' ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب ہر مسلمان کو جو نفاذِ اسلام کے لیے کوشاں ہو' کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ ''سیاست دان'' بنا ہوا ہے اور ''سیاست میں حصہ لیتا ہے''۔ اس چیز کو ان کی مذمت اور ان سے نفرت دلانے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ ایسا وقت بھی آئے جب مسجد میں نمازِ باجماعت ادا کرنے کو ''سیاسی نماز'' کہہ دیا جائے۔ سیرت ابن ہشام' جیسی کتاب سے غزوات کے مطالعہ یا بخاری میں غزوات کے مطالعہ کرنے کو ''سیاسی مطالعہ'' قرار دیا جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی کسی مخصوص سورہ کو ''سیاسی تلاوت'' کہہ دیا جائے۔ ہم ابھی تک اس دور کو نہیں بھولے جب ''ملزموں'' کے خلاف لگائے گئے ''الزامات'' کی فہرست میں یہ ''الزام'' بھی شامل ہوتا تھا کہ انھوں نے سورۃ الانفال حفظ کی ہے جو کہ جہاد کی سورہ ہے اور جہاد پر آمادہ کرتی ہے۔

یہ ترجمان القرآن کی اشاعت میں اضافے کا سال ہے

آپ بھی اپنا حصہ ادا کیجیے

اس ماہ کسی ایسے ایک فرد سے اس رسالے کا تعارف ضرور کروایئے

جس کے لیے یہ رسالہ نیا ہو